شاہ صاحب اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اشتراک تلمذ کا بھی فیصلہ ہونا چاہیئے۔
ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کا کتب خانہ شاہ عبدالعزیز کو منتقل ہوا ہوگا، شاہ عبدالعزیز نے وہ شاہ اسحق صاحب کو دے دیا تھا۔ شاہ اسحق صاحب ہجرت کے وقت بڑا حصہ اپنے ساتھ حجاز لے گئے تھے۔ ان کے ایک نواسے عبدالرحمن کا ذکر آتا ہے جو حجاز ہی میں تھے اب ان کے ورثا کے پاس وہ کتب خانہ ہوگا، شاہ اسحق صاحب کے ایک داماد مولانا عبدالقیوم بڈھانوی نے بھوپال میں وفات پائی ہے، کچھ کتابیں ان کے پاس بھی ہوں گی، بھوپال میں ان کے اخلاف کے یہاں ممکن ہے اب بھی مل جائیں، بہرحال جہاں جہاں بھی ممکن ہو اس خاندان کی کتابوں کا سراغ لگایا جائے، ان میں کچھ کتابیں شاہ صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوں گی، کچھ تالیفات کے مسودات ہوں گے۔ کچھ کتابوں پر حواشی ہوں گے، کہیں کہیں کوئی یادداشت ہوگی، اس طرح شاہ صاحب کی حیات کے بہت سے گوشے آشکار ہوں گے سنین کا تعین ہوگا ــــــ بعض غلط فہمیاں دور ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان رجال و کتب کا یقین ہو سکے گا جن سے شاہ صاحب متاثر ہوئے۔

شاہ صاحب کے افادات پر بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، مثلاً

شاہ صاحب کے کئی رسائل ہنوز غیر مطبوعہ ہیں، ہم کتابوں میں صرف ان کے نام پڑھتے ہیں آج تک ان کی زیارت سے محروم ہیں، النوادر، النخبہ، مقدمہ درفن ترجمہ قرآن، غالباً آج تک کہیں طبع نہیں ہوئے۔

بعض رسائل چھپ چکے ہیں لیکن ناتمام و ناقص چھپے ہیں، انتباہ کے تین اقسام (حصوں) میں سے صرف پہلا حصہ چھپا ہے، باقی دو حصے ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔

شاہ صاحب کی جو کتابیں پہلے طبع ہوئی تھیں وہ بھی اب "نوادر" کی صنف میں شامل ہو گئی ہیں اس لئے ان کی دوبارہ اشاعت کی شدید ضرورت ہے، شاہ صاحب کی فکر کو سمجھنے کے لئے ان کے پورے سیٹ کا پیش نظر رہنا لازمی ہے ہم ایسے کئی حضرات سے واقف ہیں جو شاہ صاحب پر کام کر رہے ہیں لیکن ان کی تالیفات سے محرومی کے شاکی ہیں ان دنوں بعض ادارے اس طرف متوجہ نظر آ رہے ہیں مگر وہ صرف ترجموں کی طباعت پر اکتفا کرتے ہیں غیر حامل المتن ترجموں سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔

شاہ صاحب کے رسائل وکتب کی صحیح تعداد ہی اب تک متعین نہیں ہوئی، ہماری نظر سے آج تک کوئی ایسی تحریر نہیں گذری جس میں حضرت شاہ صاحب کی تالیفات کی مکمل فہرست درج ہو، شاہ صاحب کی بعض کتابوں کے اجزاء کو ناشرین نے علیحدہ بھی شائع کر دیا تھا، ان کو اکثر حضرات ــ اہل علم تک ــ مستقل رسائل سمجھ لیتے ہیں، الجزء اللطیف اور مکتوب مدنی اصل میں انفاس اور تفہیمات کے اجزا ہیں۔

● ایک گروہ 'اہل حدیث حضرات' نے شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کی طرف ایسی تحریریں کو منسوب کر دیا جو حقیقتاً ان کی نہیں تھیں، اس سلسلہ کا آغاز ۱۸۵۷ء سے قبل ہی ہو گیا تھا چنانچہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور نواب قطب الدین خاں نے اس زمانے میں اس کی تردید کر دی تھی۔ پھر موجودہ صدی کے آغاز میں سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی نے بار بار اس کی تردید کی لیکن البلاغ المبین اور تحفۃ الموحدین جیسے رسائل آج تک شاہ صاحب کے نام سے چھپ رہے ہیں

ایک اور ستم یہ کیا گیا کہ شاہ صاحب کے حقیقی رسائل میں ترمیم و اضافہ کی کوششیں کی گئیں، الفوز الکبیر اور حجۃ میں ابن تیمیہ وغیرہ کے جو اقتباسات بلا حوالہ درج ہیں ــ وہ غالباً اسی قبیل سے ہیں، فیوض کے مطبوعہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

● متعدد وجوہ سے سب سے زیادہ ضرورت ان کی تحریروں کی تاریخی ترتیب کا تعین ہے داخلی، خارجی شواہد سے بڑی حد تک اس کام کی تکمیل ہو سکتی ہے، شاہ صاحب کی مختلف تحریروں میں انداز بیان کا تفاوت یا ان کے بعض اقوال و افکار میں جو تضاد نظر آتا ہے اس کا واحد حل یہی ہے۔ مختصر یہ کہ شاہ صاحب کی حیات اور تالیفات کی ترتیب و اشاعت کی طرف اہل علم کی توجہ کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بعد ان کے علوم پر تحقیق کی راہ کھلے گی خصوصاً شاہ ولی اللہ اکیڈمی (حیدرآباد) اگر "الرحیم" میں غیر متعلق مضامین کی اشاعت کے بجائے یہ اہتمام و التزام کرے کہ ہر ماہ شاہ صاحب کے مختصر رسائل کے اصل متن صحت کے ساتھ شائع ہوتے رہیں تو سال دو سال میں بیشتر رسائل عام ہو جائیں گے۔

ہم ان میں سے فی الحال پہلے مسئلے کے سلسلے میں اپنے نتائج مطالعہ پیش کرتے ہیں۔
شیخ محمد اکرام تحریر فرماتے ہیں:۔

"عام طور پر شاہ صاحب کے فرزندوں کے (تذکروں میں چار نام ہی ملتے ہیں"
(رودکوثر ص ۵۶۴)

اور یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر مورخین شاہ صاحب کے چار صاحب زادوں کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ پانچ صاحب[1] زادے تھے جن میں سب سے بڑے شاہ محمد محدث دہلوی تھے، ان کو لوگوں نے بھلا دیا۔

مولوی محمد محسن ترہتی اپنی تالیف الیانع الجنی (تالیف ۱۲۸۰ھ) میں لکھتے ہیں۔

وکان لعبد العزیز اخٌ اقدم منہ سناً اسمہ محمد وکان اخاہ لابیہ اخذ عن ابیہ وھو ایضاً قدیم الوفاۃ رحمہ اللہ تعالی۔ (ص ۷۶)

شاہ عبدالعزیز کے ایک بھائی تھے جو ان سے عمر میں بہت بڑے تھے ان کا نام محمد تھا، وہ شاہ صاحب کے اخیافی بھائی تھے اور ان کی وفات بھی شاہ صاحب سے بہت پہلے ہوئی تھی ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

مولانا عاشق الہی لکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے پانچ صاحبزادے تھے ایک پہلی بیوی سے مولوی شیخ محمد...... مولوی شیخ محمد لاولد گئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۳۰)

شاہ ولی اللہ کی شادی اپنی ماموں زاد بہن، شیخ عبید اللہ کی صاحب زادی سے ۱۱۲۸ھ میں ہوئی تھی، انہی کے بطن سے شیخ محمد پیدا ہوئے تھے، شاہ صاحب کی کنیت اسی بنا پر ابو محمد تھی، "الارشاد" کے سرورق پر شاہ صاحب کا مکمل اسم گرامی یوں تحریر ہے۔

"ابومحمد احمد بن عبدالرحیم عفی عنہ عرف شاہ ولی اللہ الدہلوی"

اس کتاب کے ص ۲ پر تحریر ہے۔

"ولد ولد قبل مولانا عبدالعزیز مسمیٰ بہ محمد فکنی بابی محمد"

---

[1] اور ایک صاحب زادی امۃ العزیز تھیں جن کا عقد شاہ محمد عاشق کے صاحبزادے سے ہوا تھا، تذکرۃ الرشید ص ۳۰

شاہ عبدالعزیز سے بڑے آپ کے ایک صاحبزادہ محمد تھے اس لئے آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔

مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی نے جو اس خانوادے کے ایک فرد تھے "تاویل الاحادیث" کے آخر میں شاہ صاحب کے حالات تحریر کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:۔

"شاہ صاحب کا پہلا عقد شیخ عبیداللہ صاحب پھلتی کی صاحب زادی اور شیخ محمد عاشق پھلتی کی بہن کے ساتھ ۱۴ سال کی عمر میں ہوا تھا" ص ۸۷

صاحب نزہتہ الخواطر مولوی عبدالحی نے ۱۸۹۲ء میں دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا۔ دہلی میں ان کی ملاقات سید ظہیر الدین احمد سے ہوئی جنہوں نے انہیں بتایا تھا کہ

"شاہ صاحب کی بھی دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی پھلت میں ہوئی .... ان سے ایک صاحبزادے ہوئے شیخ محمد صاحب" (دہلی اور اس کے اطراف) ص ۶۸

شیخ محمد کی تعلیم و تربیت شاہ صاحب ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی انہوں نے علوم دینیہ کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی تھی، شاہ عبدالعزیز نے شمائل ترمذی اپنے ان بڑے بھائی کی قرأت ہی سے پڑھی تھی۔

مولوی عبدالحی جنہوں نے ان کے ترجمہ کے لئے "الشیخ العالم المحدث" کا عنوان قائم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

وقرء شمائل ترمذی سماعاً علیہ بقراۃ اخیہ الشیخ محمد (نزہتہ الخواطر، جزسادس ص ۲۲۵)	شاہ عبدالعزیز نے شمائل اپنے والد سے اپنے بھائی شیخ محمد کی قرأت سے پڑھی تھی،

شیخ محمد غالباً شاہ ولی اللہ کی دوسری شادی کے بعد پھلت منتقل ہو گئے تھے، مولوی سید ظہیر الدین احمد کا بیان ہے کہ:۔

"وہ ہمیشہ پھلت میں رہے" (دہلی اور اس کے اطراف) ص ۶۸

مگر مولوی عبدالحی لکھتے ہیں:۔

وانتقل بعد وفات ابیہ الی بڈھانہ فسکن بھامات سنۃ ثمان

وماتین والف ہ دفن فی الجامع الکبیر بقریۃ بڈھانہ"

(نزہتہ جلد ۶ ص ۲۲۴)

اپنے والد کی وفات کے بعد بڈھانہ منتقل ہوگئے اور وہیں رہے ۱۲۰۸ھ میں وصال ہوا اور بڈھانہ کی جامع مسجد کے متصل دفن کئے گئے۔

بڈھانہ اور پھلت ضلع مظفرنگر (یوپی) کے دو گاؤں ہیں، شاہ ولی اللہ کا مولد اور ناںہال بھی پھلت ہے۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ کا مزار بھی یہیں ہے۔ پھلت میں آج بھی وہ کمرہ محفوظ و مقفل ہے جس میں شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی تھی ہم نے ان دونوں مقامات کی زیارت کی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات اصل باشندے رہتک کے ہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کے والد ماجد شاہ وجیہہ الدین صاحب دہلی تشریف لائے۔ ان کے بعد شاہ عبدالرحیم نے یہیں قیام قبول کرلیا شاہ عبدالرحیم مہندیوں میں رہتے تھے، پہلے وہاں آبادی تھی، جہاں ان کے مزار ہیں۔ یہ خاص حجرہ شاہ عبدالرحیم صاحب کا تھا۔ وہاں مدرسہ بھی تھا اور مسجد بھی۔ وہ سب مندرس ہوگئی۔ یہ مسجد جو اب ہے، یہ شاہ اسحاق صاحب کے وقت میں کسی ارادت مند نے بنوادی ہے۔ احاطہ مزاروں کا بالکل شکستہ ہوگیا ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نئے شہر میں تشریف لائے یہ مدرسہ ان کو دیا گیا۔ اور یہیں رہ پڑے شاہ عبدالرحیم صاحب کی پہلی شادی سونی پت میں ہوئی تھی۔ ان سے ایک صاحبزادے ہوئے، صلاح الدین، ان سے اولاد نہیں چلی۔ دوسری شادی ساٹھ برس کی عمر میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بشارت کے مطابق پھلت میں اپنے ایک مرید کے یہاں کی ان سے دو صاحبزادے ہوئے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ پھلت والوں کا خاندان صدیقی ہے اور شاہ صاحب کا فاروقی۔ شاہ اہل اللہ ہمیشہ ناںہال میں رہتے۔

(مولانا حکیم سید عبدالحئی۔ دہلی اور اس کے اطراف)

عارف بھٹائی اور ابن فارض

غلام مصطفےٰ قاسمی

بارگاہ الٰہی کے مقرب بندوں کے باہمی فرق مراتب کا علم ہم جیسے ظاہری الفاظ میں اسیر لوگوں کو کیا معلوم۔ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک خلیل اور دوست اپنے اپنے دور میں الٰہی عشق و محبت کے پیاسوں کو اپنے فیض سے سیراب کرتا رہا، لیکن ان میں سے جن مقرب بندوں نے محبت حقیقی کے میدان میں آگے بڑھ کر سر دھڑ کی بازی لگائی اور جن کے دل سوز اور دلآویز نغمے آج بھی ہمیں موہ کر ہمارے باطن میں محبت الٰہی کی آگ بھڑکا رہے ہیں، ان کے ان الہامی اشعار کو دیکھ کر ان کے مراتب اور مقام کے متعلق کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اس قسم کے کثرت میں وحدت دیکھنے والے وجودی اور عشاق صوفیوں ہی سے ہم یہاں عربی زبان کے صوفی شعراء کے سرتاج ابن فارض (۵۷۶ - ۶۳۲ھ) اور سندھی شعراء کے شاہ سید عبداللطیف بھٹائیؒ کا ایک دوسرے سے موازنہ کر رہے ہیں۔

شاہ بھٹائی کے شاعرانہ ملکہ، ان کی منظر نگاری، سادہ تشبیہات کا استعمال اور لفظی صنائع وبدائع کو دیکھ کر ان کا دور جاہلیت کے عربی شاعر امرؤ القیس سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان دونوں شاعروں کے نظریات، مقصد اور کلام کی نوعیت میں جو بنیادی فرق ہے وہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتا ہے۔ امرؤ القیس کی شاعری بلاشبہ عربی ادب کا بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔ لیکن وہ عریانی اور فحش نگاری سے بھرپور دور جاہلیت کی شاعری ہے، جس سے عشق الٰہی کے متوالے کیا حظ حاصل کریںگے۔ یہی وجہ ہے کہ امرؤ القیس کو "الملک الضلیل" کہا جاتا ہے۔